تاریخ نعت گوئی

میں

حضرت رضا بریلوی کا منصب

شاعر لکھنوی

مرکزی مجلس رضا ○ لاہو



تاریخِ نعت گوئی

میں

حضرت رضا بریلوی کا منصب

شاعر لکھنوی



مرکزی مجلسِ رضا ○ لاہور

کتاب	تاریخ نعت گوئی میں حضرت رضا بریلوی کا منصب
مؤلف	شاعر لکھنوی
ناشر	مرکزی مجلس رضا۔ لاہور
کتابت	ادارہ پروینِ کتابت لاہور
پروف ریڈنگ	قاضی صلاح الدین قادری
بار اوّل	صفر المظفر ۱۳۹۷ھ ، فروری ۱۹۷۷ء
تعداد	۲ ہزار
بار دوم	رجب المرجب ۱۳۹۷ھ / جولائی ۱۹۷۷ء تعداد ۲ ہزار
بار سوم	محرم الحرام ۱۴۰۰ھ ، دسمبر ۱۹۷۹ء ۔ تعداد ۲ ہزار
مطبع	جنرل پرنٹرز لاہور



ملنے کا پتا

مرکزی مجلس رضا ۔ نوری مسجد ۔ بالمقابل ریلوے اسٹیشن ۔ لاہور

نوٹ : بیرونجات کے حضرات بیس ۲۰ پیسے کا ٹکٹ بھیج کر طلب کریں ۔

تعارف

مرکزی مجلس رضا لاہور اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی کے بلند علمی مقام، ان کی دینی و ملی خدمات اور ان کی قد آور شخصیت سے متعارف کرانے کے لئے قائم کی گئی تھی۔ مجلس کی کامیابی کا یہ عالم ہے کہ سات آٹھ سال کی مختصر سی مدت میں بیس کے قریب بلند پایہ کتابیں شائع کر چکی ہے۔ یہ کتابیں پاکستان کے علاوہ دنیا بھر کے تقریباً تمام ملکوں مثلاً ترکی، انگلستان، امریکہ، ایران، مصر وغیرہ کے علمی اداروں اور محققین کی خدمت میں مفت ہدیہ کی جاتی ہیں۔ اور ان کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ کئی کتابوں کے تین تین، چار چار ایڈیشن چھپ کر شائقین کے ہاتھوں پہنچ چکے ہیں اور مانگ ہے کہ کم ہونے میں نہیں آتی۔ مرکزی مجلسِ رضا کے معاونین و قلم کار حضرات میں بڑی بڑی صاحبان علم و فضل ہستیاں شامل ہیں، جن کی لکھی ہوئی کتابیں سند کی حیثیت رکھتی ہیں۔ مجلس آزمودہ کار حضرات کے علاوہ نئے لکھنے والوں کی بھی حوصلہ افزائی کے ساتھ ساتھ اُن کی ذہنی تربیت کا اہتمام کرتی ہے، جس سے ان کی علمی صلاحیتیں نکھر آتی ہیں۔ ایسے نوجوانوں میں ایک جناب محمد مرید احمد چشتی صاحب بھی ہیں، جنہوں نے کئی برس کی محنت سے ایک بلند پایہ کتاب "اعلیٰ حضرت مشاہیر کی نظر میں" مرتب کی ہے، جو جلد ہی زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر شائقین تک پہنچ جائے گی۔ موصوف نے اپنے ذاتی تعلقات کی بنا پر برصغیر کے منجھے ہوئے ادیب اور شاعر حضرت شاعر لکھنوی مدظلہٗ سے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے کمال نعت گوئی پر ایک پُر مغز مقالہ لکھوایا ہے۔ قارئین کی دلچسپی کے لیے فاضل مقالہ نگار

کے خطوط بنام محمد مرید احمد چشتی صاحب کی تلخیص پیش خدمت ہے۔

۷۸۷

۲۷ـــ ۵ ـــ ۷۶ء

برادرم چشتی صاحب۔ ہدیۂ سلام و رحمت

حضرت رضاؔ بریلوی علیہ الرحمت پر اظہارِ خیال کی دعوت مجھے مل چکی ہے۔ اب آپ نے از راہِ شاعر نوازی کتب کا پارسل بھی بھیج دیا ہے تشکر یہ قبول فرمائیے۔ آپ کی خواہش کے احترام میں مصروف ہوں۔ "حدائقِ بخشش" میرے زیرِ مطالعہ ہے۔ انشاء اللہ جلد اپنی رائے بھیج دوں گا۔ یقین ہے آپ مع الخیر ہوں گے۔

آپ کا

شاعر لکھنوی

دوسرے خط میں تحریر فرماتے ہیں:

۷۸۷

۳۰ ـــ ۶ ـــ ۱۹۷۶ء

برادرم تسلیم۔ آپ کہتے ہوں گے کہ میں اطلاع دے کر گم ہو گیا جناب، حدائق بخشش میں گم تھا۔ لیجئے مضمون حاضر ہے۔ یقین ہے پسند خاطر ہو گا۔ رسید سے مطلع کیجئے گا۔

شاعر لکھنوی

قبل ازیں اگرچہ مجلسِ رضا۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی شاعری اور نعت گوئی پر ملک بشیر محمد صاحب اعوان کا مقالہ "مولانا احمد رضا خاں کی نعتیہ شاعری" اور راقم الحروف کا "اعلیٰ حضرت کی شاعری پر ایک نظر" شائع کر چکی ہے۔ مگر پیشِ نظر مقالے کی خصوصیت یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنت کے کلام کے فنی محاسن ایک ایسے شخص

نے اُجاگر کیے ہیں، جو اچھا غزل گو ہونے کے ساتھ ساتھ مُسلّم الثبوت ماہرِ فن بھی ہے۔

آخر میں مَیں صاحبِ مقالہ حضرت شاعر لکھنوی اور عزیزم مرید احمد چشتی کے لیے دعاگو ہوں کہ مولائے کریم انہیں دینی و علمی خدمات کی بیش از بیش توفیق عطا فرمائے۔ مجلسِ رضا کے کارکن و معاون حضرات بھی شکریے کے مستحق ہیں کہ اُن کی اَن تھک مساعی سے علمی دنیا اعلیٰ حضرت کے ارفع مقام، بلند و بالا شخصیت اور پیغام عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے متعارف ہو رہی ہے۔ جزاہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء

سیّد نور محمد قادری
چک نمبر ۱۵ شمالی (گجرات)

۸ر ۱۱ر ۱۹۷۶ء



پیش لفظ

امام اہلِ سُنّت مجدّدِ دین و ملت اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ العزیز کی شخصیت جامع الصفات ہے۔ بیسیوں علوم پر ان کی تصانیف کی تعداد ایک ہزار کے لگ بھگ ہے۔ وہ اگر منفرد عالم تھے تو بے نظیر فقیہہ بھی تھے۔ اگر علم ریاضی کے ماہرین اُن سے استفادہ کرنے میں فخر محسوس کرتے تھے تو محدّثین و مفسرین نے بھی اُن سے بہت کچھ سیکھا۔ وہ ہیئت، فلسفہ، نجوم، جفر اور بیسیوں دوسرے علوم میں اگر منتہیانہ شان کے مالک تھے تو بحرِ شعر و سخن کے بہت بڑے شناور بھی تھے، "حدائقِ بخشش" میں ایسے ایسے موتی منظوم ہیں کہ آنکھیں چکا چوند ہو جاتی ہیں۔

ضرورت ہے کہ ملتِ اسلامیہ کے اس عظیم محسن اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشقِ صادق کے کارناموں کی زیادہ سے زیادہ تشہیر کی جائے اور عامۃ المسلمین کو بتایا جائے کہ اعلیٰ حضرت کی حیاتِ پاک عشقِ حبیبِ کبریا (علیہ التحیۃ والثناء) سے عبارت تھی، یہ تخصّص ان کی زندگی کا ماحصل ہے۔ انہوں نے دوستی، دشمنی کی بنیاد اسی کو بنایا۔ حضورِ پُرنور کی غلامی پر افتخار و ابتہاج کرنے والوں کو انہوں نے اپنا سمجھا اور سرکار کی تنقیص و توہین کے مرتکبین کے خلاف اپنے خالق و مالک کے تتبّع میں جہاد کیا۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ جن پچاس سے زیادہ علوم کے منتہی تھے، ہم میں سے اکثر کو اُن کے نام تک نہیں آتے اور ان کے علوم کے متعلق وہی شخص گفتگو

کرسکتا ہے، جو اُس کے حسن و قبح کو پرکھنے کی صلاحیتوں سے بہرہ مند ہو لیکن رضؔا بریلوی قادر الکلام شاعر بھی تو تھے اور ہم میں سخن شناس، سخن فہم اور محقق حضرات کی کمی نہیں تو کیوں نہ ہو کہ "حدائقِ بخشش" کے شعری محاسن کو لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے، بتایا جائے کہ بڑے بڑے نامور شعراء اس درویشِ خدامست کے آگے پانی بھرتے نظر آتے ہیں۔ انہوں نے ایسی سنگلاخ زمینوں میں مدحتِ مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پھول کھلائے ہیں، مفاہیم و معانی کے وہ باب وا کیے ہیں اور سادگی و پُرکاری کی وہ میناکاری کی ہے کہ ذوق عش عش کر اُٹھتا ہے، وجدان جھوم جھوم جاتا ہے۔ اُن کے ہاں فکر کی گہرائی ہے، جذبوں کی سچائی ہے، محاسن کی فراوانی ہے۔ انہوں نے قلب کی واردات کو صوت و آہنگ کے قالب میں ڈھال دیا ہے۔

نعت سنّتِ کبریا ہے۔ قلم و زبان کا اس راہ میں قدم رکھنا تلوار کی دھار پر چلنا ہے۔ اس فرض سے وہی شخص بطریقِ احسن عہدہ برآ ہو سکتا ہے، جس کی نگاہ علم دین کے تمام شعبوں پر ہو، جو شریعت پر پوری طرح عامل ہو، جو رحمتِ عالم نورِ مجسّم صلی اللہ علیہ وسلم سے سچّی محبت رکھتا ہو۔ اور ہمیں اس پہلو سے بھی مجدّدِ اسلام رضا بریلوی (قدس سرہٗ) جیسا عالمِ باعمل نظر نہیں آتا۔ جس آدمی کو ممدوحِ کبریا کی رفعتِ شان کا ادراک و احساس نہ ہو، وہ نعت کیا لکھے گا، کیا سمجھے گا، وہ نعت گوؤں کے مقام کو کیا جانے گا، اور رضا بریلوی تو اُردو نعت گوؤں کے بلاشبہ امام ہیں۔

زیرِ نظر مقالہ ایک نغز گو شاعر کا ہے، انہوں نے شاید پہلی دفعہ "حدائقِ بخشش" کا مطالعہ کیا اور اُن کے ذہن و قلب پر جو اثر مرتب ہوا، وہ الفاظ کے روپ میں آپ کے سامنے ہے۔ وہ خود بھی کلامِ اعلیٰ حضرت کو پڑھ کر بے ساختہ جھومے ہیں اور یہ اُن کی جاندار تحریر کی خوبی ہے کہ مضمون کے مطالعے سے آپ بھی اپنے آپ کو رحمۃ للعالمین (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بارگاہِ عظمت میں موجود پائیں گے۔

راجا رشید محمود۔ ایم۔ اے

تاریخ نعت گوئی میں

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ کا منصب

زمانۂ رسالت حضور ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے عرب میں نعت گوئی کا آغاز ہوتا ہے۔ اس دور کا ذکر کرتے ہی تاریخ ہمارے سامنے حضرت حسان بن ثابت۔ کعب بن زہیر اور عبداللہ بن رواحہ (رضی اللہ عنہم) کے جگمگاتے ہوئے چہرے پیش کرتی ہے اور ان کی تخلیقاتِ شعری ہمارے قلوب میں عشقِ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا جذبہ پیش کرتی ہیں ؎

وَاَحْسَنَ مِنْکَ لَمْ تَرَقَطُّ عَیْنِیْ ۔۔۔ وَاَجْمَلَ مِنْکَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ

(حضور سے بڑھ کر حسین وجمیل چہرہ میری آنکھوں نے نہیں دیکھا حضور سے بہتر اور برتر انسان دنیا کی کسی عورت نے کبھی نہیں جنا) حضرت حسان کی یہ آواز ہماری سماعت کا وقار بڑھاتی ہے۔ پھر عبداللہ بن رواحہ اس آواز میں ؎

تُرْجِی الْفِدَاءُ لِمَنْ اَخْلَاقُہٗ شَھِدَتْ ۔۔۔ بِاَنَّہٗ خَیْرُ مَوْلُوْدٍ مِّنَ الْبَشَرِ

(میری جان ان پر فدا جن کے اخلاق شاہد ہیں کہ وہ بنی نوع انسان میں افضل ترین ہیں) کی آواز ملاکر اس وقار میں چار چاند لگاتے ہیں۔ پھر کعب بن زہیر ؎

اِنَّ الرَّسُوْلَ لَنُوْرٌ یُّسْتَضَاءُ بِہٖ ۔۔۔ مُھَنَّدٌ مِّنْ سُیُوْفِ اللّٰہِ مَسْلُوْلُ

(بیشک رسول اللہ وہ سیف ہیں جس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے وہ اللہ کی تلواروں میں ایک کھنچی ہوئی تلوار ہیں) کا نعرہ لگاکر اس آواز کو اور آگے بڑھاتے ہیں۔

نعت گوئی کے اس سفر میں اور بہت سی آوازیں سماعتوں کے افق پر روشنی بکھیرتی ہوئی گزرتی ہیں۔ ان میں شیخ محمد بن احمد، جمال الدین یحییٰ۔ شیخ ابو محمد عبداللہ

ابوزید عبدالرحمٰن بن سعید الزبیر اندلسی، جمال الدین بن نباتہ (رحمہ اللہ تعالیٰ) اوران آوازوں میں ایک اورآواز جو سب آوازوں میں منفرد و ممتاز ہے وہ ہے علامہ بوصیری مصری (رحمۃ اللہ علیہ) مصنف قصیدۃ البردہ کی آواز۔

عشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اظہار کے سلسلے میں یہ آواز قبولیت کے جس درجے پر فائز ہے اس کا جواب نہیں۔ اس قصیدے کا مرتبہ ایسا ہے کہ عرب و عجم دونوں اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ اس عدیم المثال جواہر پارے میں احساس کی جو بے پناہی، جذبے کا جو عمق، اظہار کی برجستگی، الفاظ کی جو اثر انگیزی، خلوص کی جو شدت اور دردمندی کی جو چمک پائی جاتی ہے، وہ اپنا جواب آپ ہے۔ صداقت، پاکیزگی، لطافت اور کیفیت کا رچاؤ اس قصیدے کے حرف حرف میں کودیتا نظر آتا ہے۔

آوازوں کے یہ جانے پہچانے چہرے محبت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وہ آئینے ہیں جن کی چھوٹ سے آنکھیں بے اختیار اشک ریزی پر مجبور ہو جاتی ہیں۔ آوازوں کی اس جماعت میں زمانے کے ساتھ ساتھ اضافہ ہوتا جاتا ہے اور ؎

میں اکیلا ہی چلا تھا جانب منزل مگر
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا (مجروح سلطان پوری)

کے مصداق چہروں کا ایک بڑا قافلہ بن جاتا ہے اور نعت گوئی اپنے مراحل طے کرتی ہوئی عرب سے ایران کی حدود میں داخل ہو جاتی ہے اس سرزمین نے اس قافلے میں ایسے ایسے وقیع چہروں کا اضافہ کیا اور نعت گوئی کا ایک ایسا ذخیرہ جمع ہو گیا جس کی مثال نہیں ملتی۔ کیفیت و کمیت، فکر و فن، زبان و بیان، اظہار و ابلاغ، سمت و جہت، تاثیر و تاثر اور مفہوم و معانی کے اعتبار سے وہ کون سی خوبی ہے جو اس ذخیرے میں موجود نہیں۔ نعت کے اس قافلے کو آگے بڑھانے والوں میں صحابۂ کرام، صوفیاء، فقراء، شعراء، علماء، مجتہدین، فقہاء اور بادشاہ سبھی شریک ہیں ابتدائی دور میں محبتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)

کا جو جذبہ فارسی مسلمان شعراء کے دلوں میں موجزن تھا اس نے برگ و بار نکالے اور نعتیہ مضامین کا وہ خزانہ وجود میں آیا جس میں فارسی ادب کے بہترین جواہر پارے اپنی تاب سے نگاہوں کو خیرہ کرتے ہیں۔ نعت گوئی کا یہ جذبہ کہیں ؎

زہے پشت و پناہِ ہر دو عالم	سرِ سالارِ فرزندانِ آدم

کی شکل میں سنائی غزنوی کو ہمارے روبرو دلاتا ہے۔ کہیں ؎

غلام حلقہ بگوش رسولِ سادائم	زہے نجات نمودن حبیبِ وآیائم

کا نغمہ ہونٹوں پر لئے سیدنا محی الدین عبدالقادر جیلانی پیرانِ پیر دستگیر (علیہ الرحمۃ) کا چہرہ ابھرتا ہے۔ کہیں نظامی گنجوی ؎

سرِ سرہنگ میدانِ وفا را	سپہ سالارِ خیلِ انبیاء را

کے شعری روپ میں نمودار ہوتے ہیں۔ کہیں ؎

گرچہ بصورت آمدی بعد از ہمہ پیغمبراں
امّا بہ معنی بودۂ سرخیلِ جملہ انبیاء

کا ورد کرتے ہوئے حضرت بختیار کاکی (رحمۃ اللہ علیہ) کا چہرہ جنت نگاہ بنتا ہے اور کہیں حضرت خواجہ معین الدین چشتی (علیہ الرحمۃ) ؎

ما طالبِ خدائیم بردینِ مصطفائیم	بر در گہش گدائیم سلطانِ ما محمد

کے پیرہن میں جلوہ نمائی کرتے ہیں۔ یہ سلسلہ سلسلے سے مل کر آگے بڑھتا جاتا ہے اور ؎

آفتابِ شرع، دریائے یقیں	نورِ عالم رحمۃ للعالمیں

کی آواز کے ساتھ عطار نیشاپوری کے خدوخال سامنے آتے ہیں۔ کہیں ؎

از رحمۃ للعالمین اقبالِ درویشاں ببیں
چوں مہ معطر خرقہا چوں گل معطر شالہا

کے پردے سے حضرت شمس تبریز (علیہ الرحمۃ) کا چہرہ برآمد ہوتا ہے۔ کہیں مولانا

جلال الدین رومی (علیہ الرحمتہ) اپنی ادائے والہانہ سے ؎

سیّد و سرور محمد نورِ جاں   بہتر و مہتر شفیع مذنباں

کے الفاظ میں چہرہ نمائی کرتے ہیں۔ کہیں سعدی شیرازی ؎

یک جاں چہ کند سعدیؔ مسکیں کہ دو صد جاں

سازیم فدائے سگِ دربانِ محمد

کی زبان میں عشقِ مصطفیٰ کی چہرہ آرائی میں مصروف ہیں۔ کہیں حضرت بوعلی قلندر پانی پتی علیہ الرحمۃ ؎

یک کفِ خاک از درِ پُر نورِ اُو   ہست مارا بہتر از تاج و نگیں

کے نعرۂ مستانہ کے ساتھ اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ کہیں حضرت نظام الدین اولیاء (علیہ الرحمۃ) کی آواز ؎

صبا بسوئے مدینہ رُو کن ازیں دعاگو سلام برخواں

بگردِ شاہ مدینہ گردد بصد تضرّع پیام برخواں

کے حساب سے محوِ جلوہ آرائی ہے کہیں حضرت امیر خسرو کی آواز ؎

مبارک نامۂ قرآں تو داری   کہ مرغِ نامہ شد روح الامینش

کی روشنی بکھیرتی نظر آتی ہے یا (لِلّٰهِ دَرُّهٗ مَنْ قَالَ) کا چہرہ ؎

یا صاحبَ الجمال و یا سیّدَ البشرَ

من وّجہک المنیر لقد نُوِّرَ القمرَ

لا یُمکِنُ الثّنَاءُ کما کان حقّہٗ

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

کے آئینے میں جگمگ جگمگ کرتا دکھائی دیتا ہے۔ کہیں نورالدین عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ

یا شفیع المذنبیں بارِ گناہ آوردہ ام

بر درت ایں بار با پشتِ دوتاہ آوردہ ام

کی تفسیر بنتے اشکوں اور بھیگے چہرے کے ساتھ کر رہے ہیں تو کہیں جان محمد قدسی کا چہرہ ؎

مرحبا سید مکی مدنی العربی — دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

ما بہ تشنہ لبانیم و توی آبِ حیات — لطف فرما کہ زِ حد می گزرد تشنہ لبی

نسبت خود بہ سگت کردم و بس منفعلم — زاں کہ نسبت بہ سگِ کوئے تو شد بے ادبی

کی چھوٹ سے گلزار نظر آتا ہے اور ان تمام آوازوں کے چہرے مل جل کر اپنے اپنے لہجے، مزاج، شوق و ذوق، ماحول، زبان اور عشق کے مطابق نعت گوئی کی ایسی سدا بہار فضا تیار کرتے ہیں جو فارسی نعتیہ شاعری کے کینوس کو وسیع سے وسیع تر کر دیتی ہے۔

فارسی نعت گو شعراء، صوفیاء، اہلِ کمال اور صاحبانِ بصیرت کا یہ قافلہ سرزمین فارس سے اپنے سفر کا رخ ہندوستان کی طرف موڑتا ہے اور عصری سفر کے تسلسل کی کڑیاں ایک دوسرے سے مل کر تخلیق کے دائرہ کار کو مزید وسعت اور سمت وجہت عطا کرتی ہیں اور جب فارسی زبان اردو سے گلے ملتی ہوئی اور آگے بڑھتی ہے تو اس کارواں کی قطار کا سرا صدیوں کو چھو لیتا ہے۔ نعت گوئی کے مقدس جذبے کو اظہار کی قدرت عطا کرنے کا یہ سلسلہ کتنا رنگا رنگ، کتنا پہلو دار اور کتنا پُرکشش ہے۔ جذبۂ عشق کی یہ صورت نمائی ؎

یا محمد دو جہاں کی عید ہے تجھ ذات سوں
خلق کو لازم ہے، جی کوں تجھ پہ قربانی کرے

کے آئینے میں ڈھل کر دلی دکنی کا چہرہ بن جاتی ہے کہیں فراقی بیجاپوری کی آواز بن کر ؎

مدینے میں اگر پیدا ہوا ہوتا تو کیا ہوتا
محمد کی گلی بھیتر فنا ہوتا تو کیا ہوتا

کے الفاظ میں ڈھل جاتی ہے یہ جذبۂ مدحتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کبھی ؎

دلا دریائے رحمت قطرہ ہے آبِ محمد کا — جو جا ہے پاک ہو پیرو ہو اصحابِ محمد کا

کے وسیلے سے مرزا رفیع الدین سوداؔ کی آواز بن جاتا ہے۔ محبت کی یہ کرن کبھی ؎

اے بہر شفاعتِ دو عالم لائق

دارم ز جناب تو امیدِ واثق

کے روپ میں خواجہ میر دردؔ کی ذات میں چمک بکھیرتی ہے تو کہیں میر تقی میرؔ کی آواز ؎

جرم کی کھو شر مگینی یارسول   اور خاطر کی حزینی یا رسول

کھینچوں ہوں نقصانِ دینی یارسول   تیری رحمت ہے یقینی یارسول

رحمتہ للعالمینی یارسول   ہم شفیع المذنبینی یارسول

کے واسطے سے ہماری سماعت کو زندگی بخشتی ہے۔ کہیں نظیر اکبر آبادی اپنے جذبۂ عقیدت کو فکر کے قالب میں اس طرح ڈھالتے ہیں ؎

تم شہِ دنیا و دیں ہو یا محمد مصطفےٰ   سر گروہِ مسلیں ہو یا محمد مصطفےٰ

حاکمِ دینِ متیں ہو یا محمد مصطفےٰ   قبلۂ اہلِ یقیں ہو یا محمد مصطفےٰ

کہیں انشاء اللہ خان انشاؔ کا جذبۂ صادق یہ روپ اختیار کرتا ہے ؎

لمعۂ ذاتِ کبریا باعث خلقِ جزو کُل   فخرِ جمیع مرسلیں رہبر و ہادیٔ سُبل

نور سے جس کے ہو گئی آتشِ کفر بجھ کے گُل   بعد نماز تھا یہی وردِ وظیفۂ رُسل

صَلِّ عَلیٰ نَبِیِّنَا صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ

کہیں حکیم مومن خاں مومنؔ، جان محمد قدسی کی آواز میں آواز ملا کر اس طرح گویا ہوتے ہیں ؎

ہوں تو مومن مگر اطلاق ہے یہ بے ادبی   میں غلام اور وہ صاحب ہے میں امت وہ نبی

یا نبی یک نگہِ لطف بامّی و ابی   "مرحبا سید مکی مدنی العربی

دل وجاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی"

کہیں ذوقؔ اپنے دیدۂ نم کے ساتھ خدائے قدوس سے ان الفاظ میں محو التجا نظر آتے ہیں ؎

رہے نام محمد لب پہ یارب اوّل و آخر   الٹ جائے بوقتِ نزع جب سینے میں دم میرا

کہیں بہادر شاہ ظفر ؎

اے سرورِ دو کون و شہنشاہ ذوالکرم

سرخیلِ مرسلین و شفاعت گرِ اُمم

کا وظیفہ دہراتے ہوئے ہمارے سامنے آتے ہیں۔ کہیں مدح کا یہ انداز ؎

حق جلوہ گر ز طرزِ بیانِ محمد است

آرے کلامِ حق بہ زبانِ محمد است

کے الفاظ میں سمٹ کر غالب بن جاتا ہے تو کہیں داغ دہلوی ؎

کردو غم سے آزاد یا مصطفیٰ ۔ مٹھی سے ہے فریاد یا مصطفیٰ

کے لب و لہجہ میں نقشِ فریادی بن کر درِ قبول کے وا ہونے کے منتظر ہیں۔ کہیں محسن کاکوروی قصیدہ لامیہ ؎

سمتِ کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل

برق کے دوش پہ لائی ہے صبا گنگا جل

میں اپنے سدابہار روپ کے ساتھ جگمگاتے ہیں۔ کہیں مولانا حسن رضا خاں حسن بریلوی رحمتہ اللہ علیہ ؎

سیرِ گلشن کون دیکھے دشتِ طیبہ چھوڑ کر

سوئے جنت کون جائے در تمہارا چھوڑ کر

کے پردے میں راز و نیاز کے پھول برساتے ہیں۔ کہیں حالی کا جذبۂ نعت گوئی اس مصرعٔ

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا ۔ مرادیں غریبوں کی بر لانے والا

کے سہارے سماعت کی وادیوں میں اُترتا جاتا ہے۔ کہیں احمد رضا خان رضا بریلوی (رحمتہ اللہ علیہ) کی منفرد آواز اس طرح گونجتی ہے ؎

واہ کیا جود و کرم ہے شہِ بطحا تیرا ۔ نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

غرضیکہ آوازوں کا یہ سفر پوری آن بان سے جاری ہے۔ ذیل کی آوازیں اپنے اپنے لہجے میں اپنا اپنا تعلقِ عشق ظاہر کرتی ہیں ؎

ز سر تا بہ پا رحمتی یا محمد
نظر جانبِ ہر گنہ گار داری — عزیز صفی پوری

نام کے نقش سے روشن یہ نگینہ ہو جائے
کعبۂ دل مرے اللہ مدینہ ہو جائے — ریاض خیرآبادی

دل نثارِ مصطفےٰ، جاں پائمالِ مصطفےٰ
یہ اویسِ مصطفےٰ ہے وہ بلالِ مصطفےٰ — اصغر گونڈوی

وہ دانائے سُبُل، ختم الرُّسل، مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل، وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسیں، وہی طٰہٰ

علامہ اقبال علیہ الرحمۃ

آئی نسیم کوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کھینچنے لگا دل سوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم — بیدم شاہ وارثی (مرحوم)

ہاتھ آئے اگر خاک ترے نقشِ قدم کی
سر پر کبھی رکھیں، کبھی آنکھوں سے لگائیں — حسرت موہانی

وہ شمع اجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں
اک روز چمکنے والی تھی سب دنیا کے درباروں میں

مولانا ظفر علی خاں

اک رند ہے اور مدحت سلطان مدینہ
ہاں کوئی نظر رحمت سلطان مدینہ

جگر مراد آبادی

وجود پاک ہے کتنا محبت آفریں تیرا
نہیں ثانی کوئی اے رحمت للعالمیں تیرا

ہادی مچھلی شہری

جڑے ہوئے ہیں جو دل میں مرے نگینے سے
یہ داغِ ہجر ہیں، لایا ہوں جو مدینے سے

اصطفےٰ اخاں لکھنوی

تراست رتبۂ عالی زحضرتِ قیوم
کہ ہست ہر دو جہاں زیرِ حکمِ تو محکوم

(معروف امیٹھوی)

شب و روز مصروفِ صلِّ علیٰ ہوں
میں وہ چاکرِ خاتمِ انبیاء ہوں

سردار عبدالرب نشتر

صاحبِ تاجِ ختمِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم
صدر نشین بزم رسالت صلی اللہ علیہ وسلم

روش صدیقی

ارضِ دل سے اٹھے نوائے درود
گونج اس کی فلک فلک جائے

(حفیظ تائب)

مدینے دل و روح وجاں لے کے جاؤں
محبت کا سارا جہاں لے کے جاؤں

(بہزاد لکھنوی)

دمِ آخر مجھے آقا کی زیارت ہوگی
ایک دن آئیں گے سرکار قضا سے پہلے

(حافظ مظہر الدین)

رحمۃ للعالمین سے جلے دل کا چراغ
انس وجاں کو خیر خواہِ انس وجاں درکار تھا

(احسان دانش)

اے ساقیٔ کونین یہ کیا بوالعجبی ہے
سیراب ہوں میں پھر بھی وہی تشنہ لبی ہے

(زائرِ حرم حمید صدیقی)

تعبیرِ شبِ غیب شبستانِ محمد
والفجر طلوعِ رخِ تابانِ محمد

(ذہین شاہ تاجی)

وہ جس نے نوعِ انساں کو غلامی سے رہائی دی
وہ جس نے پنجۂ مرگِ دوامی سے رہائی دی

(حفیظ جالندھری)

نعتِ سرکارِ بطحیٰ رقم ہوگئی
آج معراجِ لوح و قلم ہوگئی

شاعر لکھنوی

جب بھی سپاہیوں سے پیمبر کو پوچھئے
خندق کا ذکر کیجئے خیبر کو پوچھئے

عبدالرحمن کیانی

محمدِ عربی آبروئے ہر دو سرا
حبیبِ پاکِ خدا جانِ عالم و آدم

عبدالعزیز خالد

نعتِ محبوب داور سند ہوگئی
فردِ عصیاں مری مسترد ہوگئی

منوّر بدایونی

ہم حلقہ بگوشانِ درِ مصطفوی ہیں
ہم اور کسی در پہ جبیں کیسے جھکائیں

اقبال عظیم

ریاضِ خدا کا گُلِ سَرسَبد
محمد ازل ہے محمد ابد

سلیم احمد

کہکشاں بڑھ کے چھولے قدم آپ کے
یہ تو معراج ہے کہکشاں کے لئے

محشر بدایونی

آوازوں کے یہ رنگا رنگ زاویے پیش کرنے سے مقصود یہ ہے کہ کاروانِ نعت کے اس عہد تک آتے آتے نعت کے فن میں رنگ و آہنگ کے جو نئے نئے گوشے پیدا ہوئے اُن کا پورا منظر نگاہ میں رہے۔ نعت گوئی کا یہ سلسلہ اب صرف جذبہ ہی نہیں رہا اُس جذبے نے ایک مستقل موضوع کی صورت اختیار کر لی ہے اور موجودہ دَور کے جو شعراء فرمنی محبوب کے لئے غزل کہنے کو اپنی ہنرمندی اور کمال کا ذریعہ سمجھتے تھے، اب محبوبِ خدا کی نعت کو سرمایۂ دین و ایمان سمجھ کر اپنی فکر کی باگ اِدھر موڑ رہے ہیں۔ اسی طرح یہ کارواں برابر رواں دواں ہے اور ہمیں اس میں جمود اور تھکن کے آثار کہیں نہیں ملتے۔ نئے نئے چہرے ذوق و شوق کی فراوانی کے ساتھ اس میں شامل ہوتے جارہے ہیں۔ ان میں صہبا اختر، اُمید فاضلی، نیّر مدنی، اعجاز رحمانی، کوثر القادری، شعلہ آسیونی، مجید گمام گانوی، رشید گوالیاری، انعام گوالیاری اور احسان کاکوروی کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

برِصغیر ہند و پاک میں نعتِ رسول کہنے والوں کی فہرست خاصی طویل ہے۔ ان میں زیادہ تعداد ایسی ہے جو دوسری اصنافِ سخن کے دوش بدوش نعت پر بھی خاصی توجہ دے رہے ہیں لیکن اگر ہم اس فہرست سے ایسے چہروں کا انتخاب کریں جنہوں نے نعت گوئی کے سوا کسی دوسری صنف کو وسیلۂ اظہار بنانا تو کجا چھونا بھی گوارا نہ کیا ہو تو ان کی تعداد چار چھ سے آگے نہیں بڑھتی۔ ان میں بلاشبہ محسن کاکوروی، احمد رضا خاں رضا بریلوی، اور ضیاء القادری بدایونی کے نام گلشنِ نعت کے گُل سر سَبد قرار دیئے جاسکتے ہیں۔ ان کے علاوہ ڈاکٹر مرحوم حمید صدیقی، عزیز حاصل پوری، حفیظ تائب، حافظ مظہر الدین، کے نام ہیں۔ فی الوقت ہمارے اس مضمون کا موضوع چونکہ حضرت احمد رضا خاں رضا بریلوی سے متعلق ہے اس لئے ہم اپنے قلم کو اسی دائرے تک محدود رکھیں گے۔

احمد رضا خاں بریلوی (علیہ الرحمہ) نے نعت اور صرف نعت کو اپنا مقصدِ حیات بنایا اُس صنف کو بہترین ادبی جواہر پاروں سے مزین کیا اور ایسی ایسی نعتیں لکھیں جو زبان و بیان

فکر و فن، اظہار و ابلاغ اور تاثیر و تاثر کے اعتبار سے اردو ادب میں سرمائے کا درجہ رکھتی ہیں۔ اُن کی فارسی نعتیں بھی اسی درجۂ کمال پر فائز ہیں۔ انہوں نے نعت کے میدان میں اپنی جودتِ طبع کے جو اعلیٰ نمونے پیش کئے ہیں، ان میں سے ان کی ایک مشہور و مقبول نعت کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں، جس میں اردو، ہندی، فارسی اور عربی کے تانے بانے سے وہ عمارت تعمیر کی گئی ہے جو نعت گوئی کا ذوق رکھنے والوں کے ذہنوں میں ہمیشہ اپنی جگہ قائم رکھے گی۔ یہ تخلیق ذہنی تنوع اور علمی ظرف کا ایک ایسا نمونہ ہے جس کی مثال ہمیں فیضی، قاآنی، خسرو اور انشاء اللہ خاں انشا کے علاوہ شاید ہی کہیں اور نظر آسکے۔

لَمْ یَأْتِ نَظِیْرُکَ فِیْ نَظَرٍ مثلِ تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سو ہے، تجھ کو شہِ دوسرا جانا

اَلْبَحْرُ عَلَا وَالْمَوْجُ طَغٰی من بے کس و طوفاں ہوش ربا
منجدھار میں ہوں بگڑی ہے ہوا، موری نیّا پار لگا جانا

یا شَمْسُ نَظَرْتِ اِلیٰ لَیْلِیْ چو بطیبہ رسی عرضے بکنی
توری جوت کی جھلجھل جگ میں رچی، مری شب نے نہ دن ہونا جانا

مندرجہ بالا نعت ہندی، اردو، فارسی اور عربی آمیز ہونے کے باوجود اپنے تاثر کی اکائی کو برقرار رکھتی ہے۔

نعت گوئی کا فن عشقِ رسول کی منزل میں ایک ایسا پل صراط ہے جس پر قدم رکھنے اور توازن قائم رکھتے ہوئے اُس پر سے گزر جانے کی سعادت بہت کم لوگوں کو نصیب

ہوتی ہے جب تک دینی علوم کی بصیرت، شریعت و طریقت سے آگہی اور عشق کے باریک سے باریک رمز کا عرفان نہ ہو' ادھر رخ کرنا ٹھوکر کھانے کے مترادف ہے۔ اصناف شعر میں اس صنف سے زیادہ مقدس' نازک اور دشوار گزار کوئی دوسری صنف نہیں۔ شدت احساس کو عشق رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دیواروں میں چن دینے کے بعد ہی نعت گوئی کا صحیح شعور پیدا ہوتا ہے۔ جذبے کو لفظ عطا کرنے' لفظوں کی تہذیب و ترتیب کرنے اور اظہار کے گوشوں کی تراش خراش کے ہنر کی تکمیل بچوں کا کھیل نہیں۔ یہ وہ منزل ہے' جہاں طویل علمی سفر طے کرنے اور مشاہدات و تجربات کی کڑی دھوپ سے گزرنے کے بعد ہی الفاظ جذبے کی آفاقیت کو چھونے کے متحمل ہوتے ہیں اور فکر و خیال کی کتنی ہی صدیاں پار کرنے کے بعد مفہوم و معانی کے ایک لمحے کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ رضا بریلوی کی تاریخ حیات کے مطالعے سے ان کی علمی گہرائی و گیرائی، دینی و مذہبی ظرف' فکری و ذہنی صلاحیت' فقیہانہ بصیرت اور مجتہدانہ جد و جہد کے بہت سے گوشوں پر روشنی پڑتی ہے۔ نعت کا بنیادی ڈھانچہ آگہی اور باخبری پر قائم ہوتا ہے۔ باخبری حصول علم سے پیدا ہوتی ہے اور حصولِ علم کے لئے جد و جہد کے سمندروں میں ڈوب ڈوب کر ابھرنا لازمی ہوتا ہے۔ احمد رضا خاں رضا بریلوی کی ذات کے کوزے میں کتنے سمندروں کی سمائی ہے' اس کا جائزہ ان کی تاریخ حیات کے مطالعے کے بغیر ادھورا اور نامکمل رہے گا۔ ذیل میں ان کی زندگی کے چند علمی و عملی گوشے پیش کئے جاتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ نعت گوئی کی منزل کے لئے انہوں نے آگہی اور باخبری کا کتنا سرمایہ اپنے ساتھ رکھا۔ اس جائزے کی مدد سے ناظرین کرام کو اُن کے منصب و مقام کا صحیح ادراک ہو سکے گا۔

۱۔ تفسیر، حدیث، فقہ، اصول، جدل، ہندسہ، معانی اور بیان کے علوم انہوں نے اپنے والد ماجد مولانا نقی علی خاں علیہ الرحمۃ سے حاصل کئے۔

۲۔ ارثما طیقی، جبر و مقابلہ، ریاضی، مناظرہ و مرایا' زیجات اور جفر کے علوم اپنی

ذہانت و طبّاعی اور مطالعے کی لگن سے حاصل کئے

۳۔ مختلف علوم دینی میں شیخ احمد بن زینی، شیخ دملان مکی، شیخ عبدالرحمٰن مکی، شیخ حسین بن صالح مکی اور شیخ ابوالحسین احمد النوری سے استفادہ کیا

۴۔ علومِ روحانی میں قادریہ سلسلے سے بیعت کے علاوہ مختلف سلاسلِ طریقت میں خلافت و اجازت حاصل کی مثلاً سہروردیہ، بدیعیہ، علویہ وغیرہ

۵۔ دوبار حج بیت اللہ شریف سے مشرف ہوئے۔ پہلی بار قیام مکہ کے دوران شیخ حسین بن صالح کی خواہش پر "الجوہرۃ المضیئہ" کی عربی شرح صرف دو یوم میں مکمل کی۔ تاریخی نام "النیرۃ الوضیئہ فی شرح الجوہرۃ المضیئہ" رکھا گیا

۶۔ فقہ میں جدالممتار اور فتاویٰ رضویہ کے علاوہ ایک اور دینی و علمی کارنامہ ترجمہ قرآن بھی ہے جو ۱۹۱۱ء میں "کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن" کے نام سے منظرِ عام پر آیا۔

۷۔ اردو، ہندی، فارسی، عربی زبانوں پر مکمل دسترس رکھتے تھے۔

۸۔ ۱۳ سال کی عمر تک ۵۰ کتابوں کی تصنیف و تالیف کا کام مکمل کر چکے تھے

۹۔ تقریباً ۱۴ سال کی عمر میں تمام علوم عقلی و نقلی کی تکمیل کے بعد فتویٰ نویسی کا منصب سنبھالا۔

ان معلومات کے حصول کے بعد ان کی نعتیہ شاعری کے مجموعے "حدائقِ بخشش" حصہ اول و دوئم کا مطالعہ کیا جائے تو اس نتیجے پر پہنچے بغیر نہیں رہا جا سکتا کہ ان کی نعتیں جذبے کو الفاظ کا پیرہن عطا کرنے اور محبتِ رسول (صلے اللہ علیہ وسلم) کے اظہار میں احترام کی حدود قائم رکھنے کے لحاظ سے ہمارے ادب میں ایک مستقل سرمائے کی حیثیت رکھتی ہیں۔

نعت گوئی کی دو حیثیتیں ہمارے سامنے ہیں۔

۱۔ وہ نعت جو روایت سے چل کر عقیدے پر ختم ہو جاتی ہے

۲۔ وہ نعت جو عشق سے چل کر "ایمان" پر ختم ہوتی ہے

رضا بریلوی کی نعت دوسری حیثیت سے تعلق رکھتی ہے اسی لئے ان کی نعت گوئی اپنے معیار کے اعتبار سے ایک انفرادی و امتیازی شان کی مالک نظر آتی ہے۔ وہ نعت کہتے وقت قرآن کو پیشِ نظر رکھتے ہیں۔ قرآن سیرت مصطفےٰ کا آئینہ ہے اور اس آئینے کو روبرو دیکھنے کے بعد فکر کی رفتار میں کسی لغزش کا امکان ہی نہیں رہتا۔ ان کا یہ مصرعہ ان کی نعتوں کا معیار پرکھنے کے لئے بہت کافی ہے۔ ع

قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی

نعت کی پہلی حیثیت بھی اپنی جگہ ایک اہمیت رکھتی ہے اور وہ شعراء بھی جو دوسری اصنافِ سخن کے شانہ بشانہ نعت کہتے ہیں، ہمارے لئے باعثِ افتخار ہیں۔ انہوں نے بھی قافلۂ نعت کو زادِ راہ عطا کرنے میں بڑا کردار ادا کیا ہے۔ یہاں میرا اشارہ ان نعت گوؤں کی طرف ہے جو نعت گوئی کو ایک تقلیدی رسم تک محدود سمجھتے ہیں اور جن کے ہاں نعت کہنے میں حصولِ علم سے کہیں زیادہ "مشق" اور "ریاضت" کو دخل ہوتا ہے۔ اسی بنیادی کمزوری کی بنا پر وہ خداشناسی، محبوب شناسی اور خودشناسی کے باہمی رشتوں کو سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ اُن کا تقلیدی جذبہ کم علمی کے باعث ایسے الفاظ کا سہارا لینے پر مجبور ہو جاتا ہے جو جذبے کو سہارنے کی قوت نہیں رکھتے اور اس طرح ان کے اشعار تاثیر کے معاملے میں گنگ ہو کر رہ جاتے ہیں۔ یہ دیکھنا علوم و فنون کے باکمالوں ہی کا کام ہے کہ لفظ کا ظرف کتنا ہے اور وہ فکر کو کس حد تک قبول کرنے کا متحمل ہے۔ رضا بریلوی چونکہ علوم و فنون کے سمندروں سے گزر کر نعت گوئی کے پُل صراط پر قدم رکھتے ہیں اس لئے ان کا فکری شعور نازک سے نازک اور شدید سے شدید جذبے کو الفاظ کے ظرف میں اتارنے کے ہنر سے پوری طرح واقف ہے۔ اُن کے جذبے کی بے ساختگی لفظوں کے تعاقب میں نہیں پھرتی، الفاظ خود بڑھ کر اور اس جذبے کو اپنی آغوش میں لے کر اُن کے فکری عمل کو فنی عمل سے ہمکنار کر دیتے ہیں۔ رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری جذبے کی پختگی کے علاوہ ایسی بے شمار فنی خوبیوں کی حامل ہے جن کی مثال

اُس دَور کے شعرا میں بہت کم ملتی ہے۔ ذیل کے شعر کی جذباتی، فکری اور فنی حیثیت پر غور کیجئے۔ ایسی سنگلاخ اور سخت زمین میں اُن کی فکرِ رسا نے جدّت و ندرت کے کتنے گوشے نکالے ہیں ؎

طوبیٰ میں جو سب سے اونچی، نازک، سیدھی نکلی شاخ
مانگوں نعتِ نبی لکھنے کو روحِ قدس سے ایسی شاخ

روح القدس سے طوبیٰ کی سب سے اونچی، نازک اور سیدھی شاخ مانگنے اور اُس کا قلم بنا کر نعتِ نبی لکھنے کی تمنا اُن کی نازک خیالی، تنوع اور ندرت فکر کا پتہ دیتی ہے۔ اسی سلسلے کا ایک اور شعر طالبِ توجہ ہے ؎

ظاہر و باطن، اوّل و آخر، زیبِ فروع و زینِ اصول
باغِ رسالت میں ہے تو ہی گل، غنچہ، جڑ، پتی، شاخ

یہاں فروع، اصول، اوّل و آخر اور ظاہر و باطن کہہ کر اُس سے پھول، غنچہ، جڑ، پتی اور شاخ کا ثبوت فراہم کرنا، ابداع و اختراعِ سخن کا بڑا جامع نمونہ ہے۔

ایک دوسری زمین میں ان کی جودتِ طبع کی رنگینی و تازہ کاری ملاحظہ ہو ؎

سر تا بقدم ہے تنِ سلطانِ زمن پھول
لب پھول، دہن پھول، ذقن پھول، بدن پھول

قامتِ محبوبِ خدا کی اس سے بہتر اور کیا تصویر کھینچی جا سکتی ہے۔ تشبیہ کی ندرت و پاکیزگی، فکر کی معانی آفرینی، الفاظ کا انتخاب، اظہار کی معصومیت، سب کے سب وصف ایک مطلع میں جمع ہو گئے ہیں۔ یہ منزل سخن با کمالوں ہی سے سر ہوتی ہے۔ دوسرا مطلع بھی قابلِ غور ہے۔

صدقے میں ترے باغ تو کیا، لائے ہیں بن پھول
اس غنچۂ دل کو بھی تو ایما ہو کہ بن پھول

دونوں مصرعوں میں بن پھول کی تکرار الفاظ کی یکسانیت کے باوجود مفہوم و معانی کا

کتنا فاصلہ رکھتی ہے۔ اسی کو کہتے ہیں "جذبے کو فن بنانے کا ہنر" اسی زمین میں ایک شعر ملاحظہ ہو۔

دِل اپنا بھی شیدائی ہے اُس ناخنِ پا کا
اتنا بھی مہِ نَو پہ نہ اے چرخِ کہن پھول

یہاں ناخنِ پا اور مہِ نَو کی نسبت کے علاوہ "پھول" کا لفظ اپنا کچھ اور ہی رنگ روپ رکھتا ہے۔ نازک خیالی اپنے عروج کمال کو چھو رہی ہے۔ مقطع کا بانکپن بھی دیکھئے ؎

کیا بات رضؔا اُس چمنستان کرم کی
زہرا ہے جس میں، حسین اور حسن پھول

غالؔب اپنی مشکل پسندی کی آسانی کے لئے کیسی کیسی سنگلاخ، دشوار طلب اور عجیب عجیب زمینیں تراشتا ہے۔ ان زمینوں میں شعر کہنے کو کلیجہ چاہیئے۔ پھر اس میں اپنی انفرادی اور امتیازی حیثیت کو قائم رکھنا آسان بات نہیں لیکن رضؔا بریلوی ایسی ایسی بہت سی زمینوں سے عقیدت و محبت رسول کے پھول برساتے اتنی سبک رفتاری کے ساتھ گزر جاتے ہیں کہ اہلِ فن دیکھتے رہ جاتے ہیں ؎

پوچھتے کیا ہو، عرش پر یوں گئے، مصطفےٰ کہ یوں
کیف کے پَر جہاں جلیں کوئی بتائے کیا، کہ یوں

شبِ معراج کے واقعے کو دو مصرعوں کے قالب میں اس طرح سمونا کہ الفاظ مفہوم کا آئینہ بن جائیں، غیر معمولی اندازِ بیان ہے۔ "کیف کے پر جلنا" میں جو اچھوتا پن ہے اس کی تعریف نہیں ہو سکتی۔

علما، مجتہدین اور بحر العلوم قسم کے لوگوں کی شاعری میں موٹے موٹے اور ثقیل الفاظ کی بھرمار، شعر کے الفاظ تلے دب جانے اور محاسن شعری کے فقدان کی روایت عام ہے اور بعض مواقع پر اس کی صداقت ثابت بھی ہو جاتی ہے لیکن رضؔا بریلوی کی کاوشِ فکر اس روایت کی نفی کرتی ہے۔ ذیل کے شعر میں ان کا روئے سخن اسی طرف ہے ؎

جو کہے "شعرو پاسِ شرع" دونوں کا حُسن کیونکر آئے
لا اُسے پیشِ جلوۂ زمزمۂ رضا، کہ یوں

غالب کی مشہور غزل کا مصرعہ ہے

روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں

ذرا اس میں بھی حضرت رضا کی مشاقی ملاحظہ ہو ؎

پھر کے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کی کھائے کیوں
دل کو جو عقل دے خدا تیری گلی سے جائے کیوں

غالب نے تو پاسبانِ عقل کو دل کے پاس رکھنے کا مشورہ دے کر ایک چونکا دینے والی بات کہی تھی مگر حضرتِ بریلوی نے " دل کو جو عقل دے خدا" کہہ کر اس خیال کو اور آگے بڑھا دیا ہے۔ اسی زمین میں یہ شعر پڑھیئے اور وجد کیجیے ؎

جان ہے عشقِ مصطفٰے اور فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزہ، نازِ دوا اٹھائے کیوں

"نازِ دوا اٹھائے کیوں" کا ٹکڑا کیفیت عشق کے عمق کو ظاہر کر رہا ہے۔ ایک اور سخت زمین کو کس طرح پانی کیا ہے ؎

رُخ دن ہے یا مہرِ سما، یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں
شبِ زلف یا مشکِ ختا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں
خورشید تھا کس زور پر، کیا بڑھ کے چمکا تھا قمر
بے پردہ جب وہ رخ ہوا، یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

آخری شعر کے خط کشیدہ الفاظ پر نظر جمائیے " یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں" کا انداز قیامت ہے۔ اس زمین کی مشکل کو کس آسانی کے ساتھ حل کیا ہے، قابل دید ہے ؎

ہے دمِ عیسٰی سے جاں بخشی نرالی ہاتھ میں
سنگریزے پاتے ہیں شیریں مقالی ہاتھ میں

اگر کسی شاعر سے کہا جائے کہ " مقالی ہاتھ میں" نظم کرو تو وہ ہکا بکا رہ جائے گا۔

مگر ایک نعت گو شاعر (جناب رضا بریلوی) اسے اس سادگی اور پُرکاری کے سانچہ الفاظ کے قالب میں ڈھال دیتے ہیں کہ وجدانِ عشق عش عش کرنے لگتا ہے، تسلسل کی دوسری کڑی ملاحظہ کیجئے ؎

مالکِ کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں

دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں

مالکِ کونین "پاس کچھ رکھتے نہیں" کی گہرائی "دو جہاں کی نعمتیں" اور اُن کے "خالی ہاتھ میں" کس کس ٹکڑے کی داد دی جائے اور کس کس لفظ کو خراجِ تحسین پیش کیا جائے۔ اور اس کیفیتِ عشق کا تو جواب ہی نہیں ؎

آہ وہ عالم کہ آنکھیں بند اور لب پر درُود

وقفِ سنگِ در جبیں، روضے کی جالی ہاتھ میں

اللہ اللہ کیا منظر کشی ہے، کیا جذب و مستی ہے، کیا گم شدگی ہے۔ اس سادہ سے شعر میں فکر و نظر کی ہزار وارداتیں تڑپتی ہوئی نظر آتی ہیں۔

اس زمینِ نعت کے گل بوٹے بھی آپ کی توجہ کا دامن کھینچتے ہیں ؎

پھر اٹھا ولولۂ یادِ مغیلانِ عرب

پھر کھینچا دامنِ دل سوئے بیابانِ عرب

تیرے بے دام کے بندے ہیں رئیسانِ عرب

تیرے بے دام کے بندی ہیں ہزارانِ عرب

"بے دام کے بندے" اور "بے دام کے بندی" (قیدی) نے شعر میں کیسی فنی لطافت پیدا کر دی ہے ؎

ہشت خلد آئیں وہاں کسبِ لطافت کو رضاؔ

چار دن برسے جہاں ابرِ بہارانِ عرب

"ابرِ بہارانِ عرب" کے چار دن برسنے میں وہ کیف، رنگینی، تازگی اور زندگی ہے

کہ بہشت خلد بھی ان سے کسبِ لطافت کے لئے آتے ہیں۔ کیا پاکیزہ خیال ہے۔ سبحان اللہ سبحان اللہ۔
ندرتِ بیان کا اک اور شاہکار دیکھئے۔ یہ شعر بحر کی روانی، الفاظ کے در و بست، فکر کی گہرائی اور تنوع کے اعتبار سے بڑے سے بڑے ادب کے مقابل رکھے جا سکتے ہیں۔

ہے کلامِ الٰہی میں شمس و ضحیٰ ترے چہرۂ نور فزا کی قسم
شبِ تار میں راز یہ تھا کہ حبیب کی زلفِ دوتا کی قسم

ترا مسندِ ناز ہے عرشِ بریں، ترا محرمِ راز ہے روحِ امیں
تو ہی سرورِ ہر دو جہاں ہے شہا ترا مثل نہیں ہے خدا کی قسم

کیسی کیسی پاکیزہ اور سراپا نور و نکہت قسمیں کھائی جا رہی ہیں۔ ذرا ان کے زاویوں پر غور کیجئے، ہر لفظ سے خوشبو کے فوارے چھوٹ رہے ہیں ؎

کیا ٹھیک ہو رخِ نبوی پہ مثالِ گُل | پامال جلوۂ کفِ پا ہے جمالِ گُل
زنگِ مژہ سے کر کے خجل یادِ شاہ میں | کھینچا ہے ہم نے کانٹوں پہ عطرِ جمالِ گُل

پہلے مطلع میں شاعر خیال کرتا ہے کہ رخِ نبوی کو پھول سے تشبیہہ دی جائے پھر اسے فوراً ہی خیال آتا ہے کہ پھول کا جمال تو ان کے جلوۂ کفِ پا سے پامال ہے، ایسی صورت میں اس مثال کا جچاؤ بھرپور نہیں معلوم ہوتا ہے۔ دوسرے شعر میں مژہ پر ابھرتے ہوئے اشکوں کو عطرِ جمالِ گل کہنا اور مژہ کو کانٹے سے نسبت دینا بڑی نازک بات ہے۔
یہ شعر بھی دیکھئے۔

حرزِ جاں ذکرِ شفاعت کیجئے | نار سے بچنے کی صورت کیجئے
ان کے نقشِ پا پہ غیرت کیجئے
آنکھ سے چھپ کر زیارت کیجئے

آنکھ سے چھپ کر زیارت کرنے میں جو جہانِ معنی پوشیدہ ہے اس کی کیا داد دی جائے ؎

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم   خدا چاہتا ہے رضائے محمد

بات کس منطقی انداز سے کہی گئی ہے۔ دو عالم خدا کی رضا کے طالب ہیں اور خدا محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی رضا کا طالب۔ مفہوم یہ نکلا کہ سرکار کے بغیر کونین کو سرخروئی حاصل نہیں ہو سکتی۔ کتنی سادہ بات کیسے خوبصورت انداز میں کہہ دی گئی ہے ؎

قافلے نے سوئے طیبہ کمر آرائی کی   مشکل آسان الٰہی مری تنہائی کی

قافلے کا دیارِ حبیب کی طرف چلنے کے لئے کمر کسنا اور ایک عاشقِ رسول کا ایسے موقع پر تنہا رہ جانا کیا قیامت کا منظر ہے۔ ساتھ جانا اسی وقت ممکن ہے جب تنہائی کی مشکل آسان ہو۔ دیکھئے اس مشکل کی آسانی کے لئے وہ کیسی تڑپ کے ساتھ التجا کرتے ہیں۔

مشکل آسان الٰہی مری تنہائی کی

اِس التجا میں کتنی دردمندی، آرزو اور حسرت کارفرما ہے۔ اس خوبصورت لہجے میں شاعرانہ حسن کے ساتھ انہوں نے اپنی دلی تمنا کا اظہار کیا ہے کہ جس کا ایک خاص اثر مرتب ہوتا ہے۔ اسی مضمون کو حضرت امیر مینائی نے اپنے لہجے میں اس طرح ادا کیا ہے ؎

جب مدینے کا مسافر کوئی پا جاتا ہوں
حسرت آتی ہے، یہ پہنچا، میں رہا جاتا ہوں

ان کے لہجے میں بھی کتنا درد اور کتنی معصومیت ہے۔ ان دونوں کو سامنے رکھیئے ؎

"حسرت آتی ہے یہ پہنچا میں رہا جاتا ہوں" اور "مشکل آسان الٰہی مری تنہائی کی" ہیں اگرچہ دونوں لہجوں کی انفرادیت اپنی اپنی جگہ مسلّم ہے، مگر حضرت رضا بریلوی کے مصرعٔ ثانی کا تاثر امید و آرزو کے ساتھ ساتھ شاعرانہ اظہار کا بڑا نادر نمونہ ہمارے سامنے پیش کرتا ہے۔

اس زمین میں دو شعر ملاحظہ ہوں ؎

رونقِ بزمِ جہاں ہیں عاشقانِ سوختہ
کہہ رہی ہے شمع کی گویا زبانِ سوختہ

برقِ انگشتِ نبی چمکی تھی اس پر ایک بار
آج تک ہے سینۂ مہ میں نشانِ سوختہ

پہلے شعر کے دوسرے مصرعے میں شمع، گویا اور زبان کی باہمی نسبت کتنا مزہ دے رہی ہے۔ دوسرے شعر میں چاند کے اندر دھبوں کو "نشانِ سوختہ" کہنا اور اس کا سبب برقِ انگشتِ نبی کے چمکنے کو قرار دینا کتنی نادر بات ہے اور علوئے فکر کی ایسی روشن مثال جس کا ادب وشعر میں جواب نہیں۔

"حدائقِ بخشش" کے اوراق عشقِ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے عمیق جذبے سے بھرے پڑے ہیں، وجدان مشکل میں ہے کہ کس شعر کا انتخاب کرے اور کسے چھوڑے، وقت کی قلت اختصار کی متقاضی ہے اور ذوقِ سخن کا اصرار ہے کہ زیادہ سے زیادہ لکھا جائے۔ بہرحال چند اور شعر پیش کئے بغیر تشنگی رہے گی۔

یا الٰہی گرمیٔ محشر سے جب بھڑکیں بدن
دامنِ محبوب کی ٹھنڈی ہوا کا ساتھ ہو

یا الٰہی جب بہیں آنکھیں "حسابِ جرم" میں
اُن تبسم ریز ہونٹوں کی دعا کا ساتھ ہو

جس کے تلووں کا دھووَن ہے آبِ حیات
ہے وہ جانِ مسیحا ہمارا نبی

سارے اچھوں سے اچھا سمجھئے جسے
ہے اس اچھے سے اچھا ــــ ہمارا نبی

خامۂ قدرت کا حُسنِ دستکاری واہ وا
کیا ہی تصویر اپنے پیارے کی سنواری واہ وا

اس نعت کی کیفیت میں بیخودی و سرشاری کے سینکڑوں سمندر موجیں مار رہے ہیں۔ ؎

مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام
شہر یارِ اِرم، تاجدارِ حرم
نو بہارِ شفاعت پہ لاکھوں سلام

غالب نے اپنی غزل کے ایک مصرعے میں "بھوں" کا لفظ نظم کیا تھا جس پر اہلِ نظر نے بڑی ناک بھوں چڑھائی تھی۔ رضا بریلوی نے "بھوؤں" کا لفظ ایک شعر میں استعمال کیا ہے۔ ذرا نعت میں اس لفظ کی پاکیزگی اور لطافت دیکھیئے۔

جن کے سجدے کو محرابِ کعبہ جھکی
اُن بھوؤں کی لطافت پہ لاکھوں سلام

یہاں بھی دیکھئے کتنے پیارے اور محبت بھرے لہجے میں آقا نے کونین سے مخاطبت ہے ؎

مصطفےٰ خیر الوریٰ ہو   سرورِ ہر دو سرا ہو
اپنے اچھوں کا تصدق   ہم بدوں کو بھی نبا ہو

یہاں التجا کی دردمندی اور "نیا ہو" کی طرزِ ادا پر قربان ہو جانے کو دل چاہتا ہے۔ اسی طرح اس شعر کے تاثر کی بے پناہی کا انداز ملاحظہ طلب ہے ؎

وہ تو نہایت سستا سودا بیچ رہے ہیں جنت کا
ہم مفلس کیا مول چکائیں، اپنا ہاتھ ہی خالی ہے

لفظ و معنی کی ہم آہنگی "سستا سودا"، "بیچنا"، "مول چکانا" اور "ہاتھ ہی خالی ہے" کے ٹکڑے گویا نگینے جڑ دیئے گئے ہیں۔ اپنی بے بضاعتی کی اس سے بہتر اور کیا منظر کشی ہو سکتی ہے، یہ وہ مقام ہے جہاں مصوّر کا قلم شاعر کے قلم کو سجدہ کرتا ہے۔ اپنی بے بضاعتی کے باوجود امید کا دامن ان کے ہاتھوں سے نہیں چھوٹتا۔ فرماتے ہیں ؎

رضاؔ قسمت ہی کھل جائے جو گیلاں سے خطاب آئے
کہ تو ادنیٰ سگِ درگاہِ خدّام معالی ہے

پھر اس طرح اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہیں۔ ؎

ایمان ہے قالِ مصطفائی	قرآن ہے حالِ مصطفائی
میری شبِ تار دن بنا دے	اے شمعِ جمالِ مصطفائی
کُل سے بالا، رُسل سے اعلیٰ	اجلال و جلالِ مصطفائی

اس شعر میں فکر کی صناعی نے معنی کا عجیب پیکر تراشا ہے ؎

ذرّے جھڑ کر تیری پیزاروں کے	تاجِ سر بنتے ہیں سیّاروں کے

اُن ذرّوں کا سیّاروں کے سر کا تاج بننا جو حضور کی نعلین مبارک سے جھڑ کر گرے ہوں، ندرتِ فکر کی ایسی مثال ہے جس کی نظیر نہیں ملتی۔

روضۂ اطہر کی زیارت کے موقع پر بے ساختہ کہہ اٹھتے ہیں ؎

حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو	کعبہ تو دیکھ چکے، کعبے کا کعبہ دیکھو

آبِ زمزم تو پیا خوب بجھائیں پیاسیں   آؤ جُودِ شہِ کوثر کا بھی دریا دیکھو
زیرِ میزابِ حرم خوب کرم کے چھینٹے
ابرِ رحمت کا یہاں زور برسنا دیکھو

ایک دوسری جگہ دل کی آرزو کو کس خوبصورتی کے ساتھ الفاظ کے قالب میں ڈھلتے ہیں ؎

واہ کیا جُود و کرم ہے شہِ بطحیٰ تیرا
نہیں، سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

انہیں یقین ہے کہ وہ جس در سے مانگ رہے ہیں، وہ جود و عطا اور رحمت و کرم کا در ہے۔ یہاں "نہیں" کا لفظ سننے ہی میں نہیں آتا۔ دینے والا اتنا دیتا ہے کہ بقول بیدم شاہ وارثی، سائل کو اپنے دامن کی کوتاہی کا شکوہ ہو جاتا ہے۔ ؎

دینے والے تجھے دینا ہو تو اتنا دے دے
کہ مجھے شکوۂ کوتاہیٔ داماں ہو جائے

حضرت رضا بریلوی "دینا ہو تو اتنا دے دے" کے قائل نہیں۔ انہیں اعتماد ہے کہ وہ خواہ کچھ مانگ لیں، اُس در سے "نہیں" نہیں ہو سکتی۔

ذرا اس نعتیہ قصیدے کے مطلع سے بھی سماعت کو محظوظ کیجئے ؎

فیض ہے یا شہِ تسنیم نرالا تیرا
آپ پیاسوں کے تجسّس میں ہے دریا تیرا

دریا کا پیاسوں کے تعاقب میں پھرنا رحمتِ سرکارِ دو عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے کتنا وسیع استعارہ ہے ؎

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا

کتنی بڑی بات کتنے اختصار کے ساتھ کہہ دی گئی ہے۔ "محبوب و محب" اور "میرا تیرا" کی نسبتیں مفہوم و معانی کی کیا کیا منزلیں سرکر رہی ہیں۔ ایک اور گوشۂ فکر ملاحظہ ہو ؎

کیا ہی ذوق افزا شفاعت ہے تمہاری واہ وا
قرض لیتی ہے گنہ، پرہیز گاری واہ وا

پہلے مصرعے میں "ذوق افزا" کا ٹکڑا معانی کے کتنے گوشوں پر محیط ہے۔ دوسرے مصرعے میں وہی بات کو گھما کر تازہ کاری اور تنوع پیدا کرنے کا فن کار فرما ہے جو حضرت رضا بریلوی کے مزاجِ عشق کا حصہ ہے۔ پرہیز گاری کا قرض کے طور گناہ حاصل کرنا، محض اس لئے کہ شفاعت کا موقع ہاتھ سے نہ جانے پائے، کتنا وجد آور اور اچھوتا خیال ہے۔

اعلیٰ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ کو اپنی اس حیثیت پر ناز ہے کہ وہ شہِ گردوں جناب کی بارگاہ کا ایک ذرّہ ہیں اور اس نسبت سے وہ خود کو رشکِ قمر اور رنگِ رخِ آفتاب کہنے میں حق بجانب ہیں ؎

رشکِ قمر ہوں، رنگِ رخِ آفتاب ہوں
ذرّہ جو تیرا اے شہِ گردوں جناب ہوں

ذرّہ ذرّہ ہے آفتاب نہیں، اس کی صفت یہی ہے کہ وہ آفتاب کی نسبت سے اس کے رنگ کا پرتو اور مظہر ہے لیکن اس ذرے کا کیا پوچھنا، جس پر چاند رشک کرے اور جسے آفتاب اپنے رنگِ رُخ سے نوازے۔

نعت گوئی میں احترام کی حدود کا عرفان اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے، جب آدمی صاحبِ دل، صاحبِ نظر، پاک باطن، اہل خبر اور اہل کمال ہو ورنہ وہ آفتاب اور رنگِ رخِ آفتاب کے بنیادی فرق اور اس کی نوعیت و نزاکت میں تمیز نہیں کر سکتا۔

عام طور پر شعراء کے نزدیک تمام اصنافِ سخن میں غزل کو اظہار کا بہترین وسیلہ گردانا جاتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ غزل باریک سے باریک جذباتِ عشق کو اپنے میں سمونے

اور اظہار کے رنگا رنگ زاویے تراشنے میں بڑا موثر کردار ادا کرتی ہے۔ بات اس حسن سے کہی جائے کہ سننے والا پھڑک کر اسے اپنے دل کی بات سمجھ لے، یہ ہے غزل کا بنیادی وصف۔ غالباً یہی سبب ہے کہ بے شمار صوفیائے عظام، شعراء، فقراء اور اہلِ تصوف نے اپنی بات کو دل میں اتارنے کے لئے غزل ہی کا انتخاب کیا ہے۔ میرے ذہن میں مدتوں سے ایک شعر چھایا ہوا تھا ؎

تیرے آنے کا انتظار رہا
عمر بھر موسمِ بہار رہا (رسا چغتائی)

اسی بحر اور قوافی میں جب حضرت رضا بریلوی کا یہ شعر میری نظر سے گزرا تو میں چونک گیا آپ بھی سنئے اور محسوسات و لطافت شعری کی داد دیجئے ؎

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

اُن کے سوئے لالہ زار خرام فرمانے سے بہار کے دن پھر جانا ذہنی بوقلمونی کی کیا نادر مثال ہے۔ محاورے کا برمحل استعمال، اظہار کی لذت اور فکر کی پاکیزگی نے رنگ و نکہت کا ایک ایسا آمیزہ تیار کیا ہے جس کے ذائقے کو آنکھوں ہی سے چکھا جا سکتا ہے۔

شہنشاہِ عرب و عجم کے حضور حضرت رضا بریلوی کی فریاد کی لے مختلف لباس بدلتی اور اظہار کے پیکر تراشتی اس منزل تک آجاتی ہے ؎

غم ہو گئے بے شمار آقا
بندہ تیرے نثار آقا
مجھ سا کوئی غمزدہ نہ ہوگا
تم سا نہیں غم گسار آقا

جس خاک پہ رکھتے تھے قدم سیّدِ عالم
اس خاک پہ قرباں دلِ شیدا ہے ہمارا
ہم خاک اڑائیں گے جو وہ خاک نہ پائی
آباد رضاؔ جس پہ مدینہ ہے ہمارا

یہاں خاک کے مختلف پیمانے ملاحظہ کئے جا سکتے ہیں ؎

جلتی تھی زمیں کیسی، تھی دھوپ کڑی کیسی

لو وہ قدِ بے سایہ اب سایہ کناں آیا

یہاں کڑی دھوپ میں اس قدِ بے سایہ کا سایہ کناں آنا، اتنی خوبصورت منظر نگاری ہے، جس پر وجد کرنے کو جی چاہتا ہے۔

جناب حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمتہ حضورِ آقائے مدینہ حاضری دینے کو کس شوق و ذوق سے جاتے ہیں مگر وہاں سے واپسی پر ان کا جو حال ہوتا ہے، وہ انہی کے الفاظ میں ملاحظہ کیجیے، ؎

یاد میں جس کی نہیں ہوش تن و جاں مجھ کو

پھر دکھا دے وہ رخ، اے مہرِ فروزاں مجھ کو

میرے ہر زخم جگر سے یہ نکلتی ہے صدا

اے ملیحِ عربی کر دے نمکداں مجھ کو

ملیحِ عربی کی ترکیب پر جتنی بار صلِّ علیٰ پڑھا جائے کم ہے۔ ملاحت کا ذکر آیا ہے تو بیدم وارثی کا یہ شعر بھی سن لیجیے، ؎

او نمک پاش تجھے اپنی ملاحت کی قسم

بات تو جب ہے کہ ہر زخم نمکداں ہو جائے

حضرتِ رضا بریلوی (علیہ الرحمتہ) نعتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی منزل میں اپنا مقام خوب جانتے ہیں، انہیں اپنے جذبۂ عشق پر اعتماد ہے۔ اس اعتماد کو وہ مختلف انداز میں شعر کا لباس پہناتے رہتے ہیں ؎

اے رضا وصفِ رُخِ پاک سنانے کے لئے

نذر دیتے ہیں چمن، مرغِ خوش الحاں مجھ کو

اے رضاؔ جانِ عنادل تیرے نغموں کے نثار
بلبلِ باغِ مدینہ تیرا کہنا کیا ہے

گونج گونج اٹھے ہیں نغماتِ رضاؔ سے بوستاں
کیوں نہ ہو کس پھول کی مدحت میں وامنقار ہے

خوف نہ رکھ رضاؔ ذرا تُو تو ہے عبدِ مصطفیٰ
تیرے لئے امان ہے، تیرے لئے امان ہے

احکام شریعت کی سختی سے پیروی علماء کے بعض مکاتب فکر میں حضرت رضا بریلوی کو سخت گیر کے روپ میں پیش کرتی ہے۔ لیکن ان کے علمی تبحّر اور شاعرانہ کمال سے اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں۔ ؎

آتے رہے انبیاء کما قیل لہم والخاتم حقکم کہ خاتم ہوئے تُم
یعنی جو ہُوا دفترِ تنزیل تمام آخر میں ہوئی مہر کہ اکملتُ لکُم

بکارِ خویش حیرانم اغثنی یا رسول اللہ !
پریشانم پریشانم اغثنی یا رسول اللہ

شہا بے کس نوازی کُن، طبیبا چارہ سازی کن
مریضِ دردِ عصیانم اغثنی یا رسول اللہ

اللہ کی سر تا بقدم شان ہیں یہ اِن سا نہیں انسان، وہ انسان ہیں یہ

قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں　　ایمان یہ کہتا ہے، مری جان ہیں یہ

اس رباعی کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انسانی شرف و برتری کا نقشہ کتنے منفرد انداز میں کھینچا ہے۔ مفہوم کی بلاغت، بیان کی لطافت کس کس ہنر کو سراہا جائے۔ بے ساختہ مرحبا اور صلِّ علیٰ کے الفاظ زبان پر آتے ہیں۔ پہلے یہ کہا گیا کہ سرکار دو جہاں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سر تا بقدم اللہ کی شان ہیں، پھر یہ بتایا گیا کہ یہ انسانی لباس میں ہیں لیکن ایسے انسان ہیں جن کی مثال تمام عالم انسانیت میں نہیں ملتی۔ پھر یہ بتایا گیا کہ یہ وہ انسان ہیں جنہیں قرآن ایمان بتاتا ہے۔ پھر چوتھے مصرعے میں ؎

"ایمان یہ کہتا ہے، مری جان ہیں یہ"

کہہ کر مفہوم کو فصاحت و بلاغت کے نقطۂ عروج پر پہنچا دیا گیا ہے ؎

دنیا میں ہر آفت سے بچانا مولیٰ　　عقبیٰ میں نہ کچھ رنج دکھانا مولیٰ
بیٹھوں جو درِ پاکِ پیمبر کے حضور　　ایمان پر اس وقت اٹھانا مولیٰ

ذرا فارسی میں مانگنے کا لب و لہجہ اور آرزو کی تڑپ کا منظر ملاحظہ کیجیے۔ قربان اس آرزو کے ؎

اُمتان و سیاہ کاری ہا　　شافعِ حشر غم گساری ہا
سگِ کوئے نبی و یک نگہے　　من و تا حشر جاں نثاری ہا

اُردو میں اندازِ طلب کی معصومیت دیکھیے ؎

یا الٰہی جب رضاؔ خوابِ گراں سے سر اٹھائے
دولتِ بیدار عشقِ مصطفےٰ کا ساتھ ہو

رُباعی ، قطعات ، قصائد ، غزلیں" حدائقِ بخشش" میں ایک سے ایک انمول موتی موجود ہے ۔ افسوس کہ ہمارے ملک کے بعض" یک رخے" ناقدین نے تصویر کا یہ رخ دیکھنے کی زحمت ہی گوارا نہ فرمائی ورنہ رضا بریلوی کا کارنامۂ نعت گوئی ان کے دوسرے علوم و فنون کی طرح کب کا عوام کے سامنے آچکا ہوتا ۔ میں نے اپنے مضمون میں اگرچہ ان کی نعت گوئی کا مقدور بھر جائزہ پیش کیا ہے ۔ پھر بھی وقت کی کمی نے بہت سے گوشوں سے نقاب نہیں اٹھانے دیا ۔ ہاں اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ میرا یہ مضمون رضا دوستوں ، نقادوں اور اہلِ انصاف کے لئے ایک تحریک کی حیثیت ضرور رکھتا ہے ۔ اگر عشق سچا اور طلب صادق ہو تو تلوار کی دھار سے بھی انتہائی توازن اور سبک گامی کے ساتھ گزرا جا سکتا ہے ۔ حضرت رضا بریلوی نے اس منزل سے گزر کر ثابت کر دیا ہے کہ وہ بڑے بڑے نعت گوؤں کے درمیان اپنی ایک منفرد و ممتاز حیثیت رکھتے ہیں ۔



یومِ رضا

مرکزی مجلس رضا لاہور، اعلیحضرت امام اہل سنت مجدد ملت شاہ احمد رضا خاں قادری بریلوی قدس سرہ کی علمی دینی اور ملی خدمات جلیلہ کے تعارف کیلئے کتب و رسائل شائع کرنے کے ساتھ ساتھ ہر سال آپ کے یوم وصال (عرس مبارک) کے موقع پر جلسہ یوم رضا کا انعقاد کرتی ہے جس میں ملک کے نامور علماء، فضلا اور دانشور حضرات چودھویں صدی کے مجدد کی عظیم علمی خدمات اور بے مثال تجدیدی کارناموں پر روشنی ڈالتے ہیں۔ یہ روح پرور تقریب جامع مسجد نوری بالمقابل ریلوے اسٹیشن لاہور منعقد ہوتی ہے۔

ازیں علاوہ مرکزی مجلس رضا لاہور کی طرف سے ملک کے گوشے گوشے میں جلسہ ہائے یوم رضا منعقد کرنے کی ہر سال اپیل کی جاتی ہے اس تحریک سے ملک کے اکثر مقامات پر یوم رضا منایا جانے لگا ہے مگر ہم اس میں مزید وسعت کے خواہاں ہیں لہٰذا علماء کرام اور اہل سنت کی انجمنوں سے اپیل ہے کہ وہ یوم رضا کو وسیع پیمانے پر منانے کا اہتمام کیا کریں۔

الداعی: حکیم محمد موسیٰ امرتسری صدر مرکزی مجلس رضا لاہور